صاحب ہدایہؒ پر ابن ابی العز الحنفیؒ کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

(فرائض وضوء سے متعلق مسائل کا اختصاصی مطالعہ)

An overview on the objections of Ibn Abiliz Alhanafi on the book of Hidaya

Hafiz Zulfiqar Shah

Theology Teacher in Govt Middle School Sarahdna, Haripur

zulfiqarshah57@gmail.com

Dr.Muhammad Irfan

Lecturer Bacha Khan Medical Collage, Mardan

irfran.ibf@gmail.com

Abstract

Ali –Bin Ali –Bin Abi-Alez Alhanafi was born in Damascus in 1331 AD[1]. He was a great Sufi and Islamic scholar. He was a prominent philosopher and great jurist. While studying *Alhidaya* (a compiled juristic and Hanafi school of thought book) he found *some* places which were objectionable according to his sight. He just pointed out those places and took firm determination to search a good solution for those places. He didn't find a chance to do so and died in 842 AD.[2]

The total objectionable places accedes two thousand. In this article only four places will be observed. First his text will be mentioned then I will translate that text. The objectionable place will be observed in the light of anatomies given by the jurists and then I will explain my personal view upon that objection with conclusion. While taking overview on the objectionable place it will be observed that every objection should be read with all angles and should be read in the light of other jurists' opinions. In this article only four places will be mentioned in this method.

Key words: Philosopher, determination, anatomies.

تعارف

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ(م۵۹۳ھ) کی تصنیف **"الہدایہ"** فقہ حنفی کی اُمہات الکتب میں سے ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے امام محمد شیبانیؒ(م۱۸۹ھ) کی **"الجامع الصغیر"** اور امام قدوریؒ(م۴۲۸ھ) کی **"مختصر القدوری"** کو سامنے رکھتے ہوئے فقہ کا ایک متن **"بدایۃ المبتدی"** کے نام سے تالیف کیا، پھر اس کی ایک شرح **"کفایۃ المنتہی"** کے نام سے لکھی، مگر اس شرح کے طویل ہونے کی وجہ سے بعد ازاں اس کی تلخیص **"الہدایہ"** کے نام سے کر دی۔ اس کتاب کو جہاں فقہِ حنفی کا ایک بنیادی مصدر سمجھا جاتا ہے، وہاں فقہِ مقارن اور احکامِ شریعت کے نقلی دلائل اور عقلی حِکَم میں بھی اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صرف عربی زبان میں اس کی ۶۰ سے زائد شروحات لکھی گئی ہیں، جن میں اس کتاب کے احکام و مسائل کی تشریح اور نقلی و عقلی دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مسائل و دلائل پر نقد و نظر بھی ہوتا رہا ہے۔

ان ناقدین میں سے ایک نام علامہ علی بن علی بن ابی العز الحنفیؒ(م۷۹۲ھ) کا بھی ہے جنہوں نے اپنی کتاب "التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ" کا موضوع ہی **"الہدایہ"** کے اُن امور کو بنایا ہے جو بظاہر مشکل اور قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں، اُنہوں نے اِن اشکالات کو اپنی "التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ" میں جمع کر دیا ہے۔ ابن ابی العزؒ نے پوری ہدایہ کا تنقیدی جائزہ لے کر بیسیوں اشکالات کو نقل کیا ہے، مثلاً صرف کتاب الطہارۃ میں کل اکہتر (۷۱) اشکالات ہیں۔ اس سلسلے میں ابن ابی العزؒ کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہدایہ کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس میں کوئی قابل اعتراض بات ہو۔ اس کے بعد **"وفیہ نظر"** لکھتے ہیں اور جو اشکال مذکورہ عبارت میں ہو، اس کو بیان کرتے ہیں، کبھی کبھار **"وفیہ نظر"** کے الفاظ کے بغیر ہی اشکال نقل کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی رائے کا اظہار اور دلائل نقل کرتے ہیں۔ بسا اوقات اپنی رائے کے ثبوت کیلئے اشباہ و نظائر کو بھی لاتے ہیں۔

ابن ابی العزؒ نے خود کتاب کے مقدمہ میں یہ بات بیان کی ہے کہ اُنہوں نے اس کتاب میں تین قسم کی مشکلات کو جمع کیا ہے[3]۔

۱۔ پہلی قسم کی مشکلات کا تعلق صاحبِ ہدایہ کے الفاظ و تعبیر سے ہے۔

۲۔ دوسری قسم کی مشکلات کا تعلق صاحبِ ہدایہ کی تعلیل واستدلال سے ہے۔

۳۔ تیسری قسم کی مشکلات کا تعلق نفسِ حکم سے ہے۔

پہلی قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے تکبیراتِ تشریق کے باب میں ایک مقام پر یوں لکھاہے: **"والتکبیر ھو التشریق، کذا نقل عن الخلیل"**۔ اس تعبیر پر ابن ابی العز نے یہ اشکال کیاہے کہ اس بات کا امام خلیل سے منقول ہونا بظاہر درست نہیں، کیونکہ تکبیر کی تشریق کی طرف اضافت کرکے یوں کہاجاتاہے: **"تکبیر التشریق"** اس صورت میں معنی یوں بن جائے گا **"تکبیر التکبیر"** جو کہ درست نہیں۔

دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے کہ داڑھی کا خلال امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت نہیں ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ سنت فرض کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے، جبکہ یہاں تکمیل کی ضرورت نہیں ہے، لہذا یہ سنت نہیں۔ اس پر ابن ابی العزؒ نے اس تعلیل پر یہ اشکال کیاہے کہ سنت صرف فرض کی تکمیل کے لیے ہو، یہ بات ضروری نہیں، جیسا کہ کلّی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں، حالانکہ یہ تکمیلِ فرض کے لیے نہیں ہیں[4]۔

تیسری قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسواک کے بارے میں لکھا ہے: **"الأصح أنہ مستحب"** اس پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیاہے کہ مسواک کا حکم استحباب کا نہیں ہے، بلکہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے اور پھر اس پر دلائل نقل کیے ہیں[5]۔

زیر نظر آرٹیکل میں صرف چار اشکالات کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ یہ اشکالات فرائض وضوء سے متعلق ہیں۔ تجزیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مد نظر رکھا گیاہے کہ شراح ہدایہ نے ان اشکالات کو اپنے شروح میں کس حد تک جگہ دی ہے؟

[اشکال نمبر:۱] صاحب ہدایۃ کا قول: **"ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غایت اس کے مابعد کو ساقط کرنے کے لیئے ہے، کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو پورا ہاتھ (کاندھے تک) شامل ہوتا۔ اور روزہ کے باب میں (غایت) حکم کو اس (انتہاء) تک پہنچانے کیلئیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ روزہ کا اطلاق تھوڑی دیر کیلئیے (کھانے، پینے اور جماع سے) رکنے کا نام ہے"۔**

مصنفؒ نے اس تعلیل کے ذریعے امام زفرؒ پر رد کیا ہے۔ اس بات میں کلام ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص قسم اٹھالے وہ زید سے رمضان تک بات نہیں کرے گا تو باوجود اس کے کہ اگر غایۃ نہ ہوتا تو قسم ہمیشہ کیلئے ہو جاتا، پھر بھی رمضان قسم میں شامل نہیں ہوتا، اور اس میں غایۃ کے ذکر کرنے کو اس کے مابعد کے لیئے ساقط نہیں بنایا گیا۔

اور خواہر زادہؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا؛ اس نقض سے کوئی چھٹکارا نہیں ماسوائے اس کے کہ ابو حنیفۃؒ سے بواسطہ حسنؒ روایت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ یعنی کہ قسم میں رمضان اس روایت کے مطابق داخل ہو گا۔ پس یہ اس کا حکم کہنیوں کی طرح برابر ہو گا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب انھوں نے اشکال کی مضبوطی دیکھی تو پھر ایک کمزور حیلے کی طرف چلے گئے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ لفظ "ید" کا استعمال شریعت اور عرف میں لغت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس آیت میں لفظ "مرافق کا ذکر کرنا اس لیئے تھا کہ حکم کو کہنیوں تک لے جایا جائے، مابعد کو ساقط کرنے کیلئے نہیں۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہوتھوں کو کاٹ ڈالو۔ اور چور کا ہاتھ کلائی سے ہی کاٹا جاتا ہے۔ اور کیونکہ وضوء کرنے والے کیلئے سنت یہی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھولے، اور وہ کلائی تک ہی (دھونا) ہوتا ہے۔ اور شارع سے (بیان کردہ) حکم مطلق ہی ہے۔

اور چونکہ جو دیت ہاتھ کے بدلے میں واجب ہوتی ہے، وہ ہاتھ کو کلائی تک کاٹنے کے بدلے میں واجب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اگر بازو کے درمیان یا کاندھے سے کاٹا جائے تو زائد میں " حکومت عدل "لازم ہوتی ہے۔ اور انگلیوں کے کاٹنے میں دیت اس وجہ سے لازم ہوتی ہے کیونکہ وہی اس میں اصل ہیں،

اس وجہ سے نہیں کہ وہی ہاتھ کا حصہ ہے، جیسا کہ آلہ تناسل کے سرے اور پستانوں کے سروں کا حکم ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے تیمم میں ہاتھوں کا مسح کلائی تک کیا۔ اور اس کا حکم مطلق ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہنیوں تک مسح کرنے کا اس لئے کہا کیونکہ ان کو تیمم کے باب میں دلیل ذکر کی گئی۔ اس پر مزید بات آگے ذکر ہو گی ان شآء اللہ تعالیٰ۔

اور عرف میں کہا جاتا ہے کہ اپنے ہاتھ دھو لو یا فلاں آدمی نے اپنے ہاتھ دھو لئے تو اس سے کلائی تک حصہ مراد ہوتا ہے، اور ابن سید کی "محکم" میں ہے کہ "ید" ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ اور ابو اسحاق نے کہا کہ "ید" انگلیوں کے کناروں سے لے کر ہتھیلی تک کے حصے کا نام ہے۔

اور چونکہ مغیا دھونا ہی ہے محل غسل مغیا نہیں، اور وہ انگلیوں سے کناروں سے لیکر کہنیوں تک کا حصہ ہے، پس کہنی اور کاندھے کے درمیان کے حصے کا ساقط ہونا کہاں سے آیا؟ اس میں سب سے مظبوط دلیل یہ ہے کہ "غایۃ" میں سے کچھ وہ ہیں جو (مغیا) میں داخل نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ؛ ثم اتمواالصیام الی اللیل؛ اور کچھ ایسے ہیں جو (مغیا) میں داخل ہوتے ہیں، جیسا کہ؛ قرات القرآن من اولہ الی آخرہ، اس کا حکم مجمل ہے کہ جس قرآئن واضح کرتی ہیں۔ اور حضور ﷺ نے اپنے فعل کے ذریعے حکم کو بیان کر دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے وضوء کیا اور پھر پانی کو اپنی کہنیوں پر بہا دیا۔

ایک اور حدیث میں ذکر ہے، پس آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا یہاں تک کہ بازو کے اطراف کے بھی چھوا، اور حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کے وضوء کو حکایت کیا ہے کہ پس انھوں ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو دھویا یہاں تک بازو کو بھی شامل کیا، اور پاؤں کو دھویا یہاں تک پنڈلی کو بھی شامل کیا۔ امام مسلمؒ نے اس کے معنی کو روایت کیا ہے، اور آپ ﷺ سے اس طریقہ سے ہٹ کر کوئی روایت نہیں کی گئی۔

اور صحابہ کرامؓ بھی یہی سمجھے ہیں، اور ان سے کوئی اختلاف اس حوالے سے مروی نہیں، جو اختلات مروہ ہے وہ ان کے مابعد لوگوں سے ہے۔ اور چونکہ نماز ذمہ میں واجب ہو چکی ہے، جس کے سقوط کیلئے طہارت شرط ہے، پس شک کے ذریعے ذمہ ساقط نہیں ہو سکتا۔

اشکال نمبر ا کا تجزیہ

اس سے قبل صاحب ہدایۃ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ وضوء کے فرائض میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت جبکہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ہے۔ اس بارے میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ غایۃ مغیا میں شامل نہیں۔ صاحب ہدایۃ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایت (فاغسلوا ایدیکم الی المرافق[6] میں جو غایۃ مذکور ہے وہ در حقیقت مابعد کے حصے کو خارج کرنے کیلئے ہے۔

صاحب التنبیہ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایۃ کی یہ بات محل نظر ہے۔ جس کی تین وجوہات ہیں۔

وجہ اول: اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ زید سے رمضان تک بات نہیں کرے گا تو رمضان شامل نہیں ہوتا۔ اس اعتراض کو ابن ہمامؒ نے بھی نقل فرمایا ہے[7]۔

صاحب التنبیہ کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ایمان (قسم) کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے[8]۔

وجہ ثانی: شریعت میں جب لفظ "ید" استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد کلائی تک کا حصہ ہے۔ اور چور کا ہاتھ جب کاٹا جاتا ہے تو وہ کلائی سے ہی کاٹا جاتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ "مرافق" کا ذکر، حکم کو کہنیوں تک لے کر جانے کیلئے ہے۔ لہذا کہنیاں وضوء میں داخل نہیں۔ صاحب التنبیہ نے چور کے ہاتھ کاٹے جانے پر قیاس کیا ہے۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ آیت (والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما) میں چور کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم کلائی تک کا ہے۔ لہذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ "ید" کا اطلاق صرف کلائی تک کے حصے پر ہوتا ہے۔ لیکن لغت کی کتب میں لفظ "ید" کی تعریف مختلف ہے۔ جیسا کہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں کہ (**الید من اطراف الاصابع الی الکف**[9]۔ یعنی کہ انگلیوں سے لے کر ہتھیلی کا حصہ "ید" کہلاتا ہے۔

جبکہ القاموس المحیط میں ہے؛ **الید الکف او من اطراف الاصابع الی الکتف**[10]۔ یعنی کہ لفظ ید کا اطلاق انگلیوں سے لیکر کاندھے تک کے حصے پر ہو سکتا ہے۔ اس سے بظاہر شبہ پیدا ہوا کہ لفظ ید کا اطلاق کہاں

تک ہوتا ہے۔ البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ کلائی کا حصہ لفظ ید کی تعریف میں شامل ہے۔ تو حدود میں چونکہ شبہ کا فائدہ مجرم کو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں سے حدود کو جتنا ممکن ہو سکے دور کرو[11]۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چور کا ہاتھ جو کلائی سے کاٹا جاتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ لفظ ید کی تعریف میں شبہ ہے۔ لہذا صاحب التنبیہ کا قیاس، مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان عدم مطابقت کی وجہ سے قیاس مع الفارق ہے۔

وجہ ثالث: حضور ﷺ نے تیمم میں ہاتھوں کا مسح کلائی تک کیا ہے[12]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ ید کا اطلاق صرف کلائی تک کے حصے پر ہوتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف سکھانے کے لیے صحابہؓ کو وہ عمل دہرایا تھا[13]۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن ابی العزؒ کا اشکال درست نہیں ہے۔

[اشکال نمبر:۲] صاحب ہدایۃ کا قول: **"سر کے مسح کی فرض مقدار پیشانی کے بقدر ہے، اس روایت کی وجہ سے کہ جس کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ایک قوم کے گندگی کے ڈھیر پر گئے، پس قضائے حاجت کی اور وضوء کیا، پھر پیشانی اور موزوں پر مسح کیا"۔**

سروجیؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں؛ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک قوم کے گندگی کے ڈھیر پر گئے، پس قضائے حاجت کی، اور وضوء کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، اس میں پیشانی پر مسح کا ذکر نہیں ہے،۔ اس روایت کی تخریج امام مسلمؒ نے کی ہے۔ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث کے بعض طرق میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ سفر میں تھے، پس وضوء کیا اور اپنے پیشانی، اپنے عمامے اوراپنے موزوں پر مسح کیا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کی ہے۔ اس حدیث کے اکثر طرق میں موزوں پر مسح کا ذکر ہے، پیشانی پر مسح کا ذکر نہیں، اور نہ ہی اس میں لفظ "سباطۃ قوم" کا ذکر ہے۔ پس اس کو امام قدوریؒ نے ذکر کیا ہے جو کہ دو احادیث کا مرکب ہے۔ پس

انھوں نے دونوں احادیث کو ملا کر ایک حدیث بنایا اور اس کی نسبت حضرت مغیرہؓ کی طرف کی۔ سروجیؒ کی بات مکمل ہوئی۔

اور اس حدیث کو سب نے حضرت مغیرہؓ سے ہی روایت کی ہے لیکن دو طریقوں سے، جبکہ مصنفؒ کے ظاہری کلام سے لگتا ہے کہ یہ ایک ہی طریق سے ہے، اور مصنف نے حضرت مغیرہؓ کی روایت کو بھی مکمل ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس میں "وکمل علی العمامۃ" کے الفاظ بھی ہیں۔ پس یہ پیشانی (کے مسح) کے کافی ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اس بارے میں ان شاءاللہ کلام آئے گا۔

اشکال نمبر ۲ کا جائزہ

اس سے قبل صاحب ہدایہ نے وضوء کا تیسرا فرض یعنی سر کے مسح کا ذکر کیا، جس کے تحت حضرت مغیرہؓ کی روایت کو بھی ذکر کیا۔ اب صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیت کا حصہ وامسحوا برءوسکم [14] مجمل ہے۔ اس اجمال کیلئے حضرت مغیرہؓ کی روایت بطور بیان کے ہوگئی۔ صاحب التنبیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صاحب ہدایہ کی یہ بات محل نظر ہے، کہ جو انہوں نے اجمال کا دعوی کیا ہے وہ درست نہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے آیت کو جو مجمل کہا ہے وہ "کمًّا" (مقدار کے اعتبار سے) کہا ہے، "کیفًا" (کیفیت کے اعتبار سے) نہیں کہا[15]۔ (پس ثابت ہوا کہ آیت میں مقدار کے اعتبار سے اجمال تھا جس کو حضرت مغیرہؓ کی روایت نے دور کر دیا۔

[اشکال نمبر:۳] صاحب ہدایہ کا قول: **" اور کتاب مجمل ہے، پس یہ (حدیث) اس (کتاب) سے بطور بیان کے مل گیا"۔**

اجمال کا دعوی کرنا مشکل ہے، ۔ اور اجمال کا دعوی صرف ان لوگوں نے کیا ہے کہ جنہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ (وضوء میں) فرض مقدار پیشانی کے بقدر رہے، اور ہر چہ وہ لوگ کہ جنہوں نے تین انگلیوں کی مقدار کو ترجیح دی، اور کہا کہ مسح کے آلے میں یہ اکثر حصہ ہے۔ اور یہ ہشام کی روایت بواسطہ ابو حنیفہؒ کے ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ "ظاہر الروایہ" ہے۔ اور جنہوں نے (سر کے) چوتھائی

حصے کو فرض مقدار قرار دیا، اور کہا کہ چوتھائی حصہ سب کا قائم مقام بن جاتا ہے، تو ان لوگوں کے ہاں کتاب مجمل نہیں، اور یہ زیادہ علماء ہیں، یا ان میں سے زیادہ ہیں۔

اور جس نے پورے سر کے مسح کو واجب قرار دیا جیسا کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے مشہور ہے، یا سر کے اکثر حصے کے مسح کے وجوب کے قائل ہیں اور تھوڑے حصے کے معاف ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ انہیں دو حضرات سے منقول ہے۔ اس نے کہا؛ اللہ تعالیٰ کا قول **(وامسحوا برءوسکم[16])** دوسرے قول تیمم کے بارے میں (فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ[17]) کی طرح ہے۔ دونوں جگہوں پر لفظ مسح کا ذکر ہے۔ اور دونوں پر حرف "ب" داخل ہے، اور جب آیت تیمم، بعض حصے کے مسح پر دلالت نہیں کرتی ، حالانکہ تیمم تو وضوء کا بدل ہے، اور وہ مٹی کے ذریعے مسح کرنا ہے، تو اس پر آیت وضوء کیسے دلالت کرے گا؟ حالانکہ وضوء ہی اصل ہے، اور اس (وضوء) میں مسح بھی پانی کے ذریعے ہوتا ہے۔

اور جو اجمال کا دعوی مقرر ہے کہ علماء سر کے ممسوح حصے کے مقدار میں اختلاف رکھتے ہیں، پس ان کا اختلاف آیت کے اجمال پر دلالت کرے، تو یہ (اجمال کا دعوی) درست نہیں۔ کیونکہ جو امام شافعیؒ نے بیان کیا ہے وہ بطور وظیفہ کے نہیں، بلکہ وہ اس وجہ تھا کہ یہ سب سے کم حصہ ہے کہ جس پر مسح کا نام منطبق ہو سکے، جیسا کہ تمہارے ہاں رکوع اور سجود میں ہوتا ہے، اگرچہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ نے بقدر ایک تسبیحہ کے مقرر کیا ہے، اور انہوں نے رکوع اور سجود کے حکم کو مجمل نہیں بنایا۔

اور عکس اولی ہے۔ کیونکہ مسح کا محل سر ہے، جس کی ایک انتہاء ہے۔ جبکہ رکوع و سجود کے طول میں ایسا نہیں، اور جب قلیل مقدار مراد نہیں تو عمومی سر کے مسح کی طرف حکم کو پھیرا جائے گا۔ اور رکوع و سجود کی فرضیت کی طرف پھیرا جائے گا، کیونکہ یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے جبکہ پیشانی کے بقدر یا اس سے کم مقدار کے مسح کرنے پر اکتفاء آپ ﷺ سے نہیں، اسی طرح رکوع و سجود میں بھی کمی آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اگر ایسا کرنا کافی ہوتا تو حضور ﷺ بیان جواز کیلئے کم از کم ایک مرتبہ لازمی کرتے۔ اور چونکہ تیمم کے مسح میں استیعاب واجب ہے یا کچھ حصہ چھوڑنا معاف ہے تو وضوء کے مسح میں بطریق اولی ہونا چاہیے۔ اور یہ اعتراض نہ کیا جائے "کہ تیمم میں استیعاب اس وجہ

لازم ہے کیونکہ وہ ہاتھ اور منہ کے دھونے کا بدل ہے، حالانکہ وضوء میں استیعاب واجب ہے، کیونکہ بدل، حکم میں مبدل کا قائم مقام ہوتا ہے، وصف میں قائم مقام نہیں ہوتا"۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ موزوں پر مسح کرنا، پاؤں کے دھونے کا بدل ہے، اور باوجود اس کے کہ پاؤں کے دھونے میں استیعاب واجب ہے، (مسح کرتے وقت) استیعاب واجب نہیں۔ اور جو حضور ﷺ کے عمل سے مشہور سنت ہے وہ استیعاب ہی ہے۔ اور ہر چہ جو حضرت مغیرہؓ کی روایت ہے، تو اس میں "وکمل علی العمامہ" کے الفاظ ہیں۔

اور امام احمدؒ اور دوسرے فقہاء کے ہاں، صحیح احادیث کی وجہ سے پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے۔ پس جس نے وضوء کیا اور پیشانی کے بقدر سر پر مسح کیا اور پگڑی پر (مسح کی) تکمیل کی بغیر کسی عذر کے، تو یہ کافی ہو جائے گا۔

اور امام مالکؒ کے ہاں یہ بغیر کسی عذر کے کافی نہ ہو گا۔ اور جس نے وہ عمل کیا کہ جس کو سنت لے کر آئی ہے یعنی کسی عذر کی وجہ سے پیشانی کے بقدر سر اور عمامہ پر مسح کرنا، تو بغیر کسی کے اختلاف کے یہ کافی ہو جائے گا۔ اور تین ائمہ کے نزدیک بغیر عذر کے کافی ہو جائے گا۔ اور حضور ﷺ سے کوئی صحیح روایت ثابت نہیں کہ انہوں نے (سر کے مسح میں) سر کے صرف بعض حصے پر اکتفاء کیا ہو۔ اور ہر چہ جو حضرت انسؓ کی حدیث ہے، جس کو امام داؤدؒ نے روایت کی ہے کہ "میں نے حضور ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ ان پر قطری عمامہ بھی تھا۔ پس آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا، پس سر کے اگلے حصے کا مسح کیا، اور عمامہ نہیں ہٹایا" پس اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ اور حضرت انسؓ کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمامہ نہیں ہٹایا یہاں تک کہ پورے سر کو بالاستیعاب چھوا، اور عمامہ پر تکمیل کی نفی نہیں کی۔ اور حضرت مغیرہؓ کی حدیث میں عماہ پر تکمیل کو ثابت کیا ہے، اور یہ حضرت انسؓ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اشکال نمبر ۳ کا جائزہ

اس سے قبل صاحب ہدایہ نے وضوء کا تیسرا فرض یعنی سر کے مسح کا ذکر کیا، جس کے تحت حضرت مغیرہؓ کی روایت کو بھی ذکر کیا۔ اب صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیت کا حصہ وامسحوا برءوسکم [18] مجمل ہے۔ اس اجمال کیلئے حضرت مغیرہؓ کی روایت بطور بیان کے ہو گئی۔ صاحب التنبیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صاحب ہدایہ کی یہ بات محل نظر ہے، کہ جو انہوں نے اجمال کا دعوی کیا ہے وہ درست نہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے آیت کو جو مجمل کہا ہے وہ "کمًّا" (مقدار کے اعتبار سے) کہا ہے، "کیفًا" (کیفیت کے اعتبار سے) نہیں کہا[19]۔ پس ثابت ہوا کہ آیت میں مقدار کے اعتبار سے اجمال تھا جس کو حضرت مغیرہؓ کی روایت نے دور کر دیا۔

صاحب التنبیہ فرماتے ہیں کہ سر کے مسح میں بعض حصے کا مسح کیوں فرض ہے؟ پورے سر کا بالاستیعاب مسح فرض کیوں نہیں؟ جیسا کہ تیمم میں پورے چہرے کا بالاستیعاب مسح فرض ہے، حالانکہ قرآن کی آیت وامسحوا برءوسکم، اور فامسحوا بوجوہکم [20] میں "رءوس" اور "وجوہ" دونوں پر لفظ "ب" داخل ہے۔ تو پھر یہ فرق کیوں ہوا کہ تیمم میں تو بالاستیعاب چہرے کا مسح فرض ہو اور وضوء میں بعض حصے کا مسح فرض ہو؟ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "ب" "الصاق" کے لئے ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا اس کو تبعیض کیلئے بھی مانا جائے، لیکن چونکہ اس سے تیمم میں چہرہ کا بعض مسح لازم آتا ہے، حالانکہ تیمم میں پورے چہرے کا مسح کا فرض ہے۔ لہذا یہ (لفظ "ب" کو تبعیض کیلئے ماننا) درست نہیں۔ پھر ابن ہمامؒ نے بحوالہ سنن ابی داؤدؒ ایک روایت ذکر کی جو درج ذیل ہے؛ انس بن مالکؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ ان پر قطری عمامہ تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عمامہ کے نیچے داخل کیا پس سر کے اگلے حصے کا مسح کیا، اور عمامہ نہیں ہٹایا[21]۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد خاموش ہوئے جو کہ اس حدیث کی صحت کی طرف اشارہ ہے[22]۔ اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب التنبیہ نے جو وضوء کو تیمم پر قیاس کیا وہ درست نہیں کیونکہ وضوء کے حوالے سے اور بہت سی احادیث ہیں جو کہ چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اشکال نمبر:۴

صاحب ہدایہ کا قول: **"اور وہ، مسح میں تین بالوں کی مقدار کو مقرر کرنے میں، امام شافعیؒ کے خلاف دلیل ہے"۔**

"مسح علی الناصیۃ" والی حدیث، امام شافعیؒ کے خلاف تب حجت ہوگی کہ جب اجمال کے دعوی کو تسلیم کرلیا جائے، جو کہ ثابت نہیں ہو سکا۔ وگرنہ امام شافعیؒ یہ کہ سکتے ہیں "کہ حضور ﷺ سے تو "پیشانی کے بقدر مسح" والی حدیث اور تمام سر پر بالاستیعاب مسح والی حدیث دونوں ثابت ہیں۔ جب تمام سر پر بالاستیعاب والی حدیث، اس سے کم پر اکتفاء میں، تمہارے خلاف حجت نہیں، تو پیشانی کے بقدر مسح والی حدیث، اس سے کم پر اکتفاء میں، میرے خلاف کیسے حجت ہوگی؟

اشکال نمبر ۴ کا جائزہ

اس سے قبل صاحب ہدایہ نے پیشانی کے بقدر سر پر مسح کرنے کے وجوب کیلئے حضرت مغیرہؓ کی روایت ذکر کی تھی۔ اس کے بعد صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ روایت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے، کیونکہ حضور ﷺ سے کم از کم مقدار چوتھائی سر کے بقدر مسح کا ثبوت ہے، اس سے کم کا ثبوت آپ ﷺ سے نہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ بالوں کے کچھ حصے پر بھی اگر مسح ہو گیا تو حکم پورا ہو گیا۔ جیسا کہ مذکور ہے؛ جب آدمی اپنے سر کے جس حصے پر چاہے مسح کرے، اور اپنے سر کے جس بال پر چاہے مسح کرے، ایک انگلی سے یا اپنی انگلی کے بعض حصے سے یا اپنی ہتھیلی کے ذریعے، یا کسی اور کو اپنے سر پر مسح کا کہے تو (ان تمام صورتوں میں) اس کیلئے مسح کافی ہو جائے گا[23]۔ امام شافعیؒ کی اس عبارت سے واضح پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں مسح کی کوئی خاص حد مقرر نہیں۔

صاحب التنبیہ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی یہ بات درست نہیں کہ "مسح علی الناصیہ" والی حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے "مسح علی الناصیہ" اور پورے سر کا بالاستیعاب مسح دونوں ثابت ہیں، پس جب پورے سر پر بالاستیعاب مسح والی حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں تو "مسح علی الناصیہ" والی حدیث امام شافعیؒ کے خلاف کیسے حجت ہوگئی؟

صاحب التنبیہ کا یہ قیاس محل نظر ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ نے جو مسح کے باب میں مذہب اختیار کیا ہوا ہے اس پر کوئی بھی حدیث صراحت کے ساتھ ثابت نہیں، بلکہ انہوں نے خود اپنی ہی کتاب "الام" میں یہی "مسح علی الناصیہ" والی حدیث نقل کی ہے[24]۔ اور پھر اس حدیث کو مطلق لے کر یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ ہر وہ مسح کافی سمجھا جائے گا جس کو مسح کا نام دیا جاسکے۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ جبکہ احناف کے ہاں اپنے مسلک کیلئے جو دلیل ہے وہ بالکل صراحت کے ساتھ ہے۔ اور وہ وہی حضرت مغیرہؓ کی روایت "" مسح علی الناصیہ " "والی روایت ہے۔

---

[1] القسطنطینی، مصطفی بن عبد اللہ، کشف الظنون، موقع الحدث المجانی، ج:۳، ص:۱۱۴۳۔

[2] عسقلانی، ابن حجر، انباء الغمر، ج:۳، ص:۵۰۔

[4] حوالہ بالا، ص:۲۶۳۔

[5] حوالہ بالا، ص:۲۵۵۔

[6] سورۃ المائدہ، ٦۔

[7] ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد (متوفی:۸٦۱ھ)، فتح القدیر، دار الفکر، ج:۱، ص:۱۷۔

[8] حوالہ بالا۔

[9] ابن منظور، محمد بن مکرم (متوفی:۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار الصادر بیروت۔ لبنان، ج:۱۵، ص:۴۱۹۔

[10] فیروزآبادی، ابو طاہر محمد بن یعقوب، متوفی ۸۱۲ھ، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت۔ لبنان، ج:۱: ص:۱۳۴۷۔

[11] ترمذی، محمد بن عیسی، متوفی:۲۷۹ھ، سنن الترمذی، شرکۃ مکتبۃ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی۔ مصر، ج:۴، ص:۳۳۔

[12] بخاری، محمد بن اسماعیل (متوفی:)، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، باب الکفن بغیر قمیص، ج: رقم الحدیث:۱۲۷۱۔

[13] عینی، بدر الدین محمود بن احمد، متوفی:۸۵۵، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، ج:۴، ص:۳۷۔

[14] سورۃ المائدۃ، ٦۔

[15] ابن ہمامؒ، فتح القدیر، ج:۱، ص:۱۷۔

[16] سورۃ المائدہ، ٦۔

[17] حوالہ بالا۔

[18] سورۃ المائدۃ، ٦

19 ابن ہمامؒ، فتح القدیر، ج:۱، ص:۱۷

[20] سورۃ المائدۃ، ٦

[21] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، متوفی:۲۷۵ھ، سنن ابی داود، المکتبۃ المصریۃ۔ صیدا۔ بیروت، ج:۱، ص:۳٦، رقم الحدیث:۱۴۷۔

[22] ابن ہمام، فتح القدیر، ج:۱، ص:۱۸۔

[23] شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس، متوفی: ۲۰۴ھ، الام، دارالمعرفہ۔ بیروت، ج:۱، ص:۴۱

[24] حوالہ بالا۔

References

1. Alqamos-Almuheet, Mujidd-ud-Aldin Abu Tahir Ferozabadi, Bayrot.
2. Lisan-ul-Arab, Muhammad bin Mukarram ibn Manzor Alafriqi, Bayrot.
3. Albinaya, Abu Muhammad Mahmod bin Ahmad bin Mosa Alaini, Bayrot Labanan.
4. Fathul Qadir, Kamaluddin Muhammad ibn Hummam, Dar-ul-Fikar
5. Alhidaya, Ali bin Abi Bakar Almarghinani, Bayrot.
6. Sunan-Altirmizi, Muhammad bin Esa, Ejept.
7. Sahih Albukhari, Muhammad bin Ismail, Daru Taoq-Alnjat
8. Umdatul-Qari, Abu Muhammad Badruddin Alaini,Bayrot
9. Sahih Muslim, Muslim bin Hajjaj Alqushiri, Bayrot.
10. Sunan Abi Daud, Sulaiman bin Ashas Alsajistani, Bayrot.
11. Alumm, Muhammad bin Idrees Alshafii,Bayrot.
12. Tabaqat-ul-Alhanabila, Abul Hasan ibn Abi Yala, Bayrot.
13. Sunan Alkubra, Ahmad bin Husain Albaihiqi, Bayrot.
14. Musnad Alimam Ahmad, Ahmad bin Hanbal, Muassasa Alridala.
15. Al-Tarikh Alkabir, Muhammad bin Ismail, Haidrabad, Dakkan.
16. Tarikh-ul-Siqaat, Ahmad bin Abdullah Alkofi.
17. Alkuna Walasma, Muslim bn Hajjaj Alqushiri, Madina, Saudia Arabia.
18. Alzuafaa Walmatrokon, Ahmad bin Shuaib Al-Nasai, Alhalb.
19. Tahzib-ul-Tahzib, Ahmad bin Ali Alasqalani, India.
20. Nasb-ul-Raya, Jamaluddin Muhammad bin Abdullah Zeelii, Bayrot.